

## کتنے سو

ہر درشن کو رتو ایک ایسا پودا تھا جو نہ بیج سے  
آم کی طرح دیکھتے ہی رکھتے کھٹے اچاری آم سے سفوف  
تو اس منی پلانٹ کی طرح تھی جس کا ایک پتا چھوٹی سی  
ہڑی بھری بیل میں بدل جاتا ہے۔

ہر درشن کو رجب پیدا ہوئی اور دائی نے اس  
اس کے نیلے بدن کو لال کالے چوکو روں والے کھیس میں  
کی جے کہہ کر مٹھیاں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ باپ ایک رام  
کسی نے گھر آ کر جردی کہ جسونت سیاں سیاڑ پر من  
بائیس نشان ہیں۔

اب حوالی میں دو جوان بھائی اور پلنے میں پان  
کشیری ڈونگے جیسی گڑیاں پہننے والے دو  
ذمہ داری کے بوجھ سے یوں جھکے جیسے مرد کی ڈالی  
لیکن جوان حجم ذمہ دار یوں کو کچھ دل سے قبول نہیں کر  
کچے امرود کی طرح رٹھکتی پھری جیسے نچے گینہ سمجھو کر کو

# رسال؟

اگتا ہے نہ جس کی کوئی جڑ ہوتی ہے بلکہ جو ہوندی  
کے بغیر س دار انور اٹول میں بدل جاتی ہے۔ وہ  
ذالی کی جگہ سے کاٹ کر زگا د تو آپ سے آپ

کے گلے میں الجھی ہوئی آنول کو جلدی سے اتار کر  
یہ پیٹا تو اس کی ماں نے مباراسنس لیا اور وہ اگر د  
ست زمین میں ہل جوتے گیا تو صبح جس وقت چانڈ دبا  
ز کے بل گر لے ہے اور اس کے جسم پر ٹوکرے کے پورے

ذل کا انگوٹھا پھوٹتی ہر درشن کو رہ گئی۔

نوں مرداروں نے اس رہ طکی گڑایا کی طرف دیکھا اور

یاں چڑیوں کے بیٹھنے پر زمین کی جانب چھکتی ہیں۔

تالدسوئیے اور بھائیوں کے درمیان ہر درشن اس

کاٹ کھیلتے ہیں۔ گھنے گھنے سیلے کردن میں درشن

۵

مکھن دودھ پر پلی ہوئی مشکو سی گھومتی پھرتی۔ دیواروں سے کھوج کھرج کرنے کی تھی۔ بکریوں کو ہاتھوں میں پکڑ کر کھینچتی اور بالآخر سوڑا گباشی بے جی کے نواڑی پلنگ کے تنے چھس جاتی۔ پلنگ کے تنے درش کی کائنات تھی۔ بیس اس کے سلوک کے چھلے ہے ویکچاں تسبیح کھو کھی کی نکڑی سے بناؤ اسناگار کسی چھوٹی سی چار پانی اور چار پانی پر کپڑے کی گڑیا تھی جو اس کی طرح نمایت بے رو سماں کے دن بمر کرہی تھی۔ درش کو رکون ہندوؤں سے بہت کم دلچسپی تھی۔ بس بے جی کے پلنگ تسلی کا انہیں اسے اچھا لگتا تھا۔ پھر نواڑ کا ایک ڈھیلا رڑ پامنگتی کی طرف تھا، اس میں عجھ کر کتنی کتنا دیر جھول جھولتی رہتی اور گاتی رہتی۔ یہ سارے گائے اس کے خود ساختہ ہوتے تھے کیونکہ سدا رہ جیل ملکا کے گھوڑیں کسی کا آجٹانہ نہ تھا۔  
 بھائیوں کی لادلی کے بستے سے ناگ تھے لیکن یہ چل کر جنما پکا ہو گیا وہ کر خل کو رخا۔ بلبیری گوارا  
 ہر سیل سنگھ چھوٹی سی پچی کو اپنی کراپن پکڑا کر کما کرتے۔  
 ”دیکھو تو خالصہ فوج کی کرنیل نظر آتی ہے۔“

ویسے بھی دونوں بھائی اسے یا پکے رکھے ہوئے ناگ سے بلاتے ڈرتے تھے جیسے وہ کوئی بے ادبی کر رہے ہوں۔

گینڈا رنگے سوٹ میں وہ پنڈا دل کے ساتھ داک زنی کرنے والی شیر دل اڑکی لگا کر تی۔ چرے کا رنگ تیقی ہوئی ایسٹ بیگتا اور آنکھیں کرچی تھیں۔ اس تھارانی جنداں کی طرح فراخ اور بانیسیب نظر آتا۔ اور ہونشوں کا خم اپنے فیصلہ آپ کرنے کی نشانہ ہی کر تھا۔ تھوڑی ہڑکی کے پھرے پر ایک خاص قسم کا تجسس، ذہانت اور غیرت مندی کا عکس پڑا رہتا۔

حوالی کے سامنے میں دیوار پار بصری رہتی تھی۔ بصری ذات کی میراث تھی اور تیلی دادو کی بیوی تھی۔ کھل بزرے میں رہ کر اس کی رنگت کمائے ہوئے چڑھے کی طرح چمکدار اور صندلی ہرگز تھی۔ لیس پر دے اؤ صوم دصلوڑ کی بست پاندھی۔ جو نبی حوالی کی پچھت پر زراسی اہٹ ہوئی تو فوراً کو ہو کے پاکے اٹھر اندر کرے میں چلی جاتی۔ لیکن اچانک ایک دلا اسے یہ پردہ پھر ڈنپڑا۔

کرنیل کو رہتی دل نکتے پڑھی رکھے نہار ہی تھی جو دہنی نکل چلاتی اور تالی کے آگے ہاتھ مکتی

اور پھر خود یہ چدک کرنا لی کے تنپے بیٹھ جاتی۔ اس بندر والی چک پچاند میں اچانک پڑی ہی پر اوچا پاؤ پڑا۔ پڑھی گھستہ چل گئی اور کرنل کو رکی کہتی ہوا لمان ہو گئی۔ اس وقت صرف ہر بیل سنگھ گھر پر تھا۔ پس تو اس نے دھویا لیکن ہو بیری ٹھی بہرہ نا تھا۔ اور کرنل کا پھر وہ اتنا سارا ہمود کیہ کر گیند سے کے پھول سے بھی زیادہ پیلا ہوا تھا۔ میراث کے گھر اور جو یہی کی سماجی دلوار میں ایک گھر کی حیلی کی جانب تھی جو اب تک کبھی نہ کھلی تھی۔ ہر بیل سنگھ نے چھوٹی سی جندی کو جھٹکا دے کر توڑا اور کو اٹھوں کراوٹ میں ہو کر بصری کو آواز دی۔

جب لمحہ گیا اور کرنل کو رسوی تو بھری چپ چاپ اٹھ کر گھر چل گئی۔ اس کے وہ پٹے پر جانکا ہو کے دبھتے تھے تھیں اسے ان سے چون نہ ارسی تھی۔ آج اتنے رسول بعد اس کی گود میں کوئی سویا تھا۔ دادو اور بصری بن بچوں ولے گھر میں یوں خاموش خاموش رہتے تھے جیسے کسی کتب گھر میں کتابیں ان کے اندر تو بتتی کہانیاں تھیں تھیں وہی کہاں عوایب نہ ہی رکھتے۔ بصری کی طنے مانے والیاں اسے عمداً مشورہ دیتیں کہ وہ دادو کو بڑے سپتاں لے جائے وہاں ایک امریکن ڈاکٹر آیا ہر اتحا جو دل کے ملابح خوب کرتا تھا لیکن بصری یہ کہ کر چپ ہو جاتی کہ جب اللہ رسول کا حکم ہو گا اپنے بچے پھر جائے گا۔ میں اپنے بھنے کو لوگوں کے سامنے کیوں بدناؤ کروں؟

بصری کلپر دہ کیا ٹوٹا ہر بیل سنگھ نے پیلی بار سنگھ کا سانس لیا۔ ڈیوڑھی کی گھر کی کھوں کراوٹ اداز دے دیتا：“ہم بصری اکرنل کا دھیان رکھا میں کھیتوں پر جارہا ہوں۔

اور بصری کو پچی کیا می خوشنیوں کا ہاب کھل گیا۔ کرنل کو رکنے گھر لا کر وہ اس کا منہ ہاتھ کھلی سے وھوئی۔ پھر اس کے باوں میں اعلیٰ رسولوں کا تیل ڈالتی تھا۔ کی کہ سیدھا انگل کا لگا کر جو ٹھیکی اور چھپے بیاس سو بات ڈالتی۔ یوں اپنی گڑیا کو بنا سوار کر دے چار پانی پر بجا کر کہتی۔ یہی اب توکیل ہاو میں ہڈبی روٹی پکا لوں۔” کرنل دادو کو دیکھتے تھتی۔ جتنی بصری خوبصورت تھی اسی قدر دادو آنکھوں کو مرالگا تھند گدی الگی آنکھیں، انگل اتھا، آنگے کے کٹی ہوئی کی ناک اور بڑے بڑے کان۔ سارا دن اڈے پر بیٹھا گدھے کو انکھا ہوا ناک سے چھپے نکالتا رہتا۔ کرنل کو دادو کی سب سے

بھری یہ بات لگتی تھی کہ اس کے تنگ سینے پر ایک بھی بال نہ تھا۔ پیر جی کے سینے پر تو سیاہ بالوں کی گھنی گھاس اُگی تھی۔ کبھی کبھی جب وہ درشن کا سرلنگ سینے پر دکھ کر سو جلتے تو اسے بہت مزہ آتا۔ دادو کے پچھے بیٹھے سے سینے کو دیکھ کر کریں کا بھی چاہتا کہ وہ دادو کو خوب مارے۔

اس غصہ کے تحت ایک روز اس نے بھری سے کہا: ”ماں یہ تیرا دادو نہ بننے بھی کا

رشتہ دا ہے۔“

بھری نے جلدی سے کافروں کو ناچھڑا کیا اور جواب دیا: ”ناں بیٹھی ناں۔ وہ مونا سکھا اور ہم مکان۔ رشتہ داری کیسی؟“

”ٹو دادو کے ساتھ کیوں رہتی ہے۔ ہمارے ساتھ جو یہی ہیں وہ۔ بے بجا کا پنگ دوئی تجھے؛“

”اب تو اس کے قدموں میں رہنا ہے کرنیں۔“

یہ فلسفہ کرنیں کو سمجھنے آیا۔ بولی: ”کیوں؟“

”کیوں۔ کیوں کہ یہ میرا بجا زی خدھے۔“

”وہ کیا ہوتے ہے اسکی۔“

”ہندو عورتیں جسے سواہی کہتے ہیں ناں وہ۔“

”سوہی کیا ہوتا ہے ماں؟“

”جسے سجدہ کر دن گناہ نہیں ہوتا بیٹھی۔“

کرنیں بات گو اپنی عقل سے بڑا پا کر خاموش ہو گئی اور نفرت سے دادو کی طرف دیکھنے لگی جس نے

آنکھوں میں لال دواڑاں رکھی تھی اور تست تست کرتا مریل کو حصے کوہنکانے میں مشغول تھا۔

اب ڈیودھی والی وہ کھڑکی کھلی رہنے لگی جس کے آگے ضبط آئیں سناخوں کا جنگلا تھا۔ کرنیں کو

کھڑکی کی سل پر بیٹھ کر بھری کے گھر میں جھاٹکتی رہتی اور بھری نماز پڑھتی۔ پہنچے دھونی جھاڑو سے

فرش صاف کرتی۔ تیل والی سے سیپوں میں نیا تیل ڈالتی کرنیں کے وجود میں کھوفنے لگتی۔

”کیا کر رہی ہے ماں؟“

و خوض کرنے لگی ہوں کر نہیں۔"

"و منو کیا ہوتا ہے ماسی؟"

"عبادت کے لئے پانی سے بدن پاک صاف کرنا۔"

"اور عبادت کیا ہوتی ہے ماسی؟"

"عبادت! عبادت بیٹھی اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اسی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کو

کہتے ہیں۔"

"اور نعمتوں کیا ہیں ماسی؟"

"داد و ساخن ہر۔ یہ مگر۔ کھانے کو دو وقت کھانا۔ پینے کا پڑا۔ کسی کی محتاجی نہیں۔ کسی کے آگے احتہ نہیں پھیلانا۔"

یہ بات تو کر نیل کو رکھنے دیا تھی۔ لیکن ماسی کی دیکھا دیکھی اس نے بھی گڑ دی میں پانی بھر کر اپنی گڑیا کو حضور کرایا۔ جیسے جیسے بھری و خوض کرتی بالکل ویسے ہی کر نیل بھی اس کی نقل کرتی۔ جب کپڑے کی گڑیا اچھی طرح بھیک گئی تو کر نیل کو رکھنے لگا۔۔۔ وہ بھی بڑوں کی فرست میں شامل ہو گئی ہے کیونکہ وہ جیسا مشکل کام اس نے سیکھ دیا تھا۔

کوٹھے پر سب سے چھپ کر کر نیل کو رنے گارے کے ماتھا ایک مسجد بنائی۔ اینٹوں کا تھرا، اس پر گارے کا لیپ کیا۔ پڑھی پڑھی اینٹوں کا منبر بنایا اور پھر اس ساری جگہ کے گرد ایشیں پُن کر حد بندی کر لی۔

ویسے تو ہر بیل سنگھ اور بلبری سنگھ کر نیل کی وجہ سے کبھی رات باہر نہ رہ سکتے تھے لیکن اب جو بھری کا سہارا اٹھا تو دونوں ہر کا میلہ دیکھنے پڑتے ہیں اور کر نیل کو بھری کی تحولی میں دیکھتے ہیں۔

جس روز پہلی بار کر نیل بھری کے ہاں رات بھر قئی اس کے درمیے دن بھر عزت تھا بلبھری نے ایک تھال میں تین خیری روٹیاں رکھیں اور ساتھ ایک پیلے میں پیدا کو شور بہڈا۔ سر پر بر قعہ اور ٹھا اور کر نیل کی انگلی پکڑ کر مسجد کی طرف روانہ ہو گئی۔

ہم کماں بجد ہے ہیں اسی:

مسجد کی طرف جا رہے ہیں کرنلی:

وہاں کیا پسے ماسی:

مولوی صاحب کے لئے روٹی لے جانی ہے:

وہ اپنی روٹی آپ کیوں نہیں پکلتے؟

بیشی۔ ثواب ہوتا ہے انہیں روٹی دے کر:

اور ثواب کیا ہوتا ہے ماسی:

ثواب ہوتا ہے روٹ کو۔ خاموشی سے چل۔ مڑک پر باقی نہیں کرتے۔

مسجد میں طاقووں پر دیئے رُشنا تھے۔ صفووں پر نمازی جنم ہو رہے تھے۔ عصر الْمَغْرِبَ کے درمیان  
کا وقت تھا۔ دو چار بُڑکے اب بھی سیستھے سپاڑے پڑھ رہے تھے اور مولوی صاحب کے جسم سے  
گیس کی روشنی تختہ کی صورت میں شکل کر باہر پڑھی تھی۔ جب کرنلی والپس حوالی میں آئی تو سب سے  
پہلے اس نے کوئی پرچھ کر لی۔ مسجد میں کھجور کی صفائی کا ایک شکر ابھیاں مکھوکھا رہے تو پہلے کا کوئا  
بدھنایا اور پھر فترے پر کاغذ دل کو کاث کر سپاڑے کی شکل بنایا کر دکھلایا۔ اب وہ آزادی سے کوئی  
پرچھ کر پہلوں و منور کرتی۔ پھر خود ہی اذان دیتی اور خود ہی ماسی بھری کی طرح نماز پڑھنے میں مشغول  
ہو جاتی۔

ایک روز ہر بیل سٹک کرنلی کو تلاش کرتا رہا لیکن وہ تباہ پر نماز پڑھنے میں مشغول تھی۔ بھری کو زین دند  
پیکو کر ہر بیل سٹک نے ڈیوڑھی والی کھڑکی کھولی اور آزادی: مکر بُل کوڑا۔

ہیئت پر کے سامنے چار پانی کھڑی کر کے بھری نہ لئے میں مشغول تھی۔ بھری کو دیکھ کر ہر بیل  
کی ٹانگ لیں کر دوڑ پڑھیں۔ اپنے جوہنڈے کو کھلاتے ہوئے اس نے کھڑکی بند کر دی۔ اب تک وہ باپ کی  
کمائی سے پر بندھ کر پاریاں سکھ دل اور لاکانی جستے بنایا کرتا تھا۔ آج اچانک اس کا جا بچا ہاں باری  
دنیا سے اس کا ناظر ٹوٹ جائے اور ڈیوڑھی والی کھڑکی ہمیشہ کھلی رہے۔ اس کے بالوں بھر سے سینے میں

یک دم گرم گرم پسینہ آگیا اور تن سے ایک ایسی خوشبو اٹھنے لگی جس کا اسے پہلے کبھی احساس نہ ہوا تھا۔ کبھی جوستے پہنچا اور کبھی کھول دیتا۔ کبھی پکڑی پہنچا اور کبھی آتار دیتا۔ کبھی آئینے میں شکل دیکھتا اور کبھی کھن سے نہ ہونے احتداد اڑھی پر پھر کر دل کو سمجھاتا کہ ہوش کر ہر بیل سیاں ہوش کر..... بھری نے کبھی کیس اور داڑھی ولے مرد کو دیکھا ہے کہ میں اپنا آپ دکھنے کی کروں۔ ہوش کر ہر بیل شکع ہوش کر

اس دل تھے سے پہلے، ہر بیل شکھ کے نئے بھری کو بے وحشک آواز دینا آسان تھا اب دل کے چور نے منہ پر ڈھانٹا باندھ دیا تھا۔ درتے درتے ہوتے کھڑکی کی زنجیری پر ہاتھ دالتا اور مرد کو ہوتی آواز میں کھلتا۔ جھانی وادو ہم جا رہے ہیں باہر۔ کرنیل کو ماکیل ہے ہو یا میں۔“ اگر کسی سے اس کی آواز سن کر بھری آجائی تو ہر بیل شکھ کا منہ سنتی ہو جاتا۔ لگنے میں علیحدوں کے کھلنے ابھرتے اور پھلکی کے بالوں میں ہکا ہکا پسینہ آ جاتا۔ ذات کی مرااثن نے سودھوں کے موڑھی کا ایسا حال کر دیا جیسے خارشی کٹا کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ہو۔

اس روز ہر بیل شکھ سمجھاں پورے والیں نوٹا تو قلمی اموں کا ٹوکرہ سا تھا۔ تو کراڈیو ڈھی میں رکھ کر دہ اندر گیا تو مکان میں ایک بھی بتی روشن نہ پائی۔ رسولیا بڑے سکرے کو تلاں لگا کر غالباً فلم کا دوسرا شوڈیکھنے چاچکا تھا۔ ہر بیل نے کرنیل کو دوچار آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اسے لقینہ دیوں نے کرنیل کو را بھی بھری کے گھر سے نہیں لوٹی اور بلیز شکھ چھپت پر غایب گاہی نیند مر چکتے۔

چھنٹے نوڑا دی جسم کے اندر دل۔ بخوبی رکھا... آبی میں کوڑا کھلا رہا گیا۔ پہلے اس نے دل بدلنے کے لئے آتم بائی میں ڈالے اور پھر کنوئی سے پلنی نکال کر انہیں ٹھہڑا کیا۔ دو یا سام کھلنے کی کوشش بھی کی لیکن پہلی بار آموں میں نہ شو نہیں نہ مٹھا۔ اسی کے بال پسینے میں بھیگتے تھے اور اندر باہر انہیروں سے گرمی پک رہی تھی۔ بالآخر اس نے سارے آتم ٹوکرے میں ڈالے اور ٹوکرہ کند سے پید کر کر بھری کے گھر پہنچا تو حمال سا چاند منڈیر پر تاشا دیکھنے کے لئے آملا۔ ٹاش کا پردہ اٹھا کر ہر بیل شکھ آہتے سے کھانا۔

اندر سے خاموشی اور سر جوں کے تیل کی خوبصورتی اس کا سوگت کیا۔  
”داد و بھائی۔“ آواز یوں نکلی جیسے پھوٹی سی لکنکری بڑھ سے تالاب میں گردی ہوئ  
”داد۔“ میں کرنل کور کو لینے آیا ہوں۔

اب بھی اندر خاموشی دیتی تو متھش ہو کر ہر بیل سنگھ اور آگے بڑھا۔

دادو کی چار پانی خالی تھی اور ساتھ والی چار پانی پر بھری اور کرنل کو رائیک ہی نکلے پر مرکے  
سوہنی تھیں۔ چاند کی روشنی میں بھری کا وہ بازو جو کرنل کے سر کے پنج تھا ہاتھی دانت کا بنا ہوا انفر  
آتا تھا۔ ناک کا کوکا شفے سے موئی کی طرح چکنے والا تھا اور ملٹھے پر شفے پسینے کے قطے تھے۔  
بھری اور یہ بھی رانی جنداں کا دوسرا دپ تھی پر چاند کی چاندنی میں یوں بدن ڈھیلا چھوڑتے اور  
کوئے کامٹکا آڑا دھرے تو وہ وسنت سینا کی طرح تو بہ فکن لگ رہی تھی۔

ہر بیل سنگھ چڑھ کی خشک لکڑی کی طرح جلد رکا۔

کبھی سوچتا بھاگ جاؤں اور لوٹ کر جو میں میں قدم نہ رکھوں۔ کبھی دل میں آقی کہ کلاوہ بھر کر  
بھری کی گھرڑی بن کر رادن کی طرح کسی نہ کانگری میں جا کر چھپ رہوں۔

بالآخر جب بھری نے کروٹ لی اور آہستہ آہستہ پنکھے کی ڈنڈی اس کے ہاتھ میں بلنے لگی تو وہ

بولا۔“ بھری۔“

بھری گھبرا کر اٹھی۔ آنکھوں میں نیند اور گرمی کی سرخی، گردن اور کندھے پر بکھرے ہوئے بال  
اور ان میں ابھی ہوئی چاندی کی ڈنڈی یاں، اٹھی اور بغیر دوپٹے کے ہر بیل سنگھ تک آپنی۔

”کیا بات ہے بھائی جی؟“

ہر بیل سنگھ سے دیکھتا رہ گیا۔

”کیا بات ہے بھائی ہر بیل سنگھ۔“ نیند کی ماقی نے سوال کیا۔

لیکن ہر بیل تو پیدائشی نیندو سے کے مریض کی طرح لاکھ کچھ کہنے کے باوجود زبان نہ ہلا۔

مکھنا تھا۔

کرنیں میرے پاس ہے جو گنی ہے۔ صبح لے جانا اے۔ اپا دوپہر پائے ہے اتنا کہ  
بھری نے اوڑھتے ہوئے کہا۔

”دادو کہاں ہے۔“

”ماٹی ماراں کے ساتھ دانہ نے گیا ہے۔“ دادو کے پنگ پر بیٹھ کر صری بولی۔  
دہ ڈرتے ڈرتے کرنیل کور کے پنگ پر بیٹھ گیا۔ کچھ اس طرح کہ دو نوں کے گھنزوں میں  
بمشکل تماں دو اپنوں کا فاصلہ تھا۔

”بات کیا ہے؟“ حیران ہو کر بھری نے پوچا۔ کہیں گونی۔ کہیں وہی خون تو نہیں  
بوگیا۔“

”بوگیا ہے۔“

”خون کہاں؟“

ہر بیل سنگھ نے نظریں جھکا کر آہستہ سے اپا ہاتھ بھری کے گھٹنے پر رکھ دیا اور ہر لے  
سے بولا: ”میں یہاں سو باؤں رات کی رات..... کرنل کو رکے پاس۔“  
ہر بیل سنگھ کی ساری کشش اس کی انکھوں میں تھی۔ یہ سنگھیں ہمارا جلدی بخوبی، سنگھ کے  
خوبصورت بیٹھے دلیپ سنگھ کی انکھیں تھیں۔ ایسی انکھیں میں جب ابا ہوئی بے قواستے رذ کرنا  
کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا۔ بھری نے اپا آپ ارنے سے پہلے ایک بُجھی تی جھ بھری لی اور آہستہ  
سے بولی: ”دادو یہاں ہوتا تو آپ جنم جم جی صدقے سو جاستہ جب تک وہ نہ کئے بھائی جی  
میں کسی کو گھر کیسے رکھ سکتا ہوں۔“

ہر بیل سنگھ کی نظروں میں دادو گھم گیا۔ آنکھوں میں لال ڈر را دانے دالا دادو۔۔۔  
جب دگاڑا یہ پڑھ کر گدھا ہانکہ کرنا تو اس کی مامن سنگھی چھاتی دیکھ کر وہ دنوں بھلئی خوب  
بہن کرتے تھے۔ اس وقت اسے دادو پنے پر بہت انظر آ رہا تھا۔

”بھری! دا گھر دکی سو گند! سو ڈھی سکد بست غیرت والا ہو تکہ اور اونٹ کی طرح بدله۔“

کے کر رہتا ہے؟

بھری نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ ہر بیل کے کند سے پر و کھا اور چاند کی کرنوں ٹیسی ٹھنڈی آواز میں بولی : "میں ذات کی میراث - تیکی کی بیوی - تجھے جیسا سردار مجھ صبیعی عورت سے پر لہ لے کر بیا کرے گا۔"

ہر بیل سنگھو چپ سا ہو گیا ۔

"تو نے میری بڑی عزت بڑھا لی ہے یا بات کہ کر۔ میکن اب جو اندر دی اسی میں ہے کہ مجھے مجھ سمجھ کر جس طرح ایسا تھا اسی طرح لوٹ، جا مجھے کوئی کسی نے قید تھوڑی کر رکھا ہے کہ تو پھر اسے آیا ہے۔ میں نے تو خود اپنی رعنی سے ذنب کرنے کی تھی ہے۔ یہ رُڑا نہیں دیکھتا میں سے ما تھے میں سنگھار کے لئے کوئی بوجھ خوڑ کیتے؟"

ہر بیل سنگھو خداستوں کی گردی سے نکل کر کیم کوہ قریقہ کی پیاریوں میں جا پہنچا۔ بھری کی ٹھانی اس سے تھوڑی دور تھی۔ اس نے اپنے بٹتے ہر منٹ اس ٹھنڈے رد لٹگو لٹکے کوشے پر رکھ دیئے لمبے بھر کو سوڑھیوں کا سارا مان بھری کے قدموں میں ڈھیر کیا اور پھر اپنے براہم چلا گیا۔

گھر بیک پسختہ پسختے اس کی ساری وارثی آنسوؤں سے بھیک چلی تھی۔

اس دن کے بعد ہر بیل سنگھو نے پھر بھی ڈیورڈھی کی کھڑکی نہ کھوئی۔ اب بایہری کریں کر کوئے جاتا اور گھر واپس لاتا۔ میکن پھر بلیکر کی ملاقات لدھیلنے کے شیش پر ایک لڑکی سے ہو گئی تھی کہ نہیں تھی۔ اور اس کے گرولے لدھیانے میں مانا بنت تھے۔ بلیکر نہ میزوں سے ناط توڑ دیا اور اس لڑکی سے شداری کر لے خود بھی لدھیلنے میں مانا نے کی کھڑکیوں پر کام کرنے لگا میکن اب تو کریں کوئے سیانی بھر جلی تھی اور خود بھری بھری کے گھر کے بدلنے لگی تھی اس لئے ہر بیل سنگھو ڈیورڈھی کی کھڑکی کھونے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ دیسے بھی اب اس کے باون میں پہنچے اگئے تھے اور وہ ہل چلاتا تھا ک جایا کرتا تھا۔

کریں کو رسکول سے دا اپسی پر حرف بترے جھوڑ نے گھر آتی۔ پھر سکل کے کپڑے اتکر بھری ہی

ٹرن جلی جاتی۔ اس نے تو بھری سے اتنے سارے گھانے بھی پہنچانے سکھ لئے تھے ہر ہا صبہ دہ کچھ پہنچا کر ہر زیل کے آگے رکھتی تو وہ پوچھتا: ”بڑا سواد ہے یقرو ہاتھ میں کرنیں۔ بے بھی کی طرح۔ تیری استانیاں تو بڑی قابل ہیں۔“

استانیوں کو کچھ نہیں آتا بیر بھی۔ سب اسی بھری سکھا تی ہے مجھے یاد رکھتی۔ حالانکہ وہ اپنی طرح سے جانا تھا کہ سب کچھ بھری سکھا تی ہے لیکن کرنیل کے ہزار سے یہ سنکر اسے عجیب طرز کی خوشی سی حاصل ہوتی۔

لے تو کھلی سے نہانہ آتا ہے اور کچھ نہیں آتا اسے۔

شیر بھی۔ اسی بھری کو تو سب کچھ آتا ہے۔ یہ دیکھو کیا کشیدہ کیا ہے۔ مجھے میری استانی کہتے ہے کہ ایسا کشیدہ تو ہیڈ مرٹلیس بھی نہیں کو سکت۔ نونے کے کڑھے ہوئے میکنے کے غلاف کو، ہر زیل سٹگہ ہاتھوں میں پکڑ کر دیکھتا ہتا۔ ایسے میکنے پر صور کہ کرسونے کی لے کتی تھی۔

ایک روز کرنیل نے بھری سے کہا: ”ماں تو ایک تکمیلہ غلاف بیر بھی کے لئے بھی بنادے۔ وہ بت تعارف کرتے ہیں تو ہم کشیدے کی۔“

بھری نے گاڈی پر نیٹھ دادو پر لگاہ ڈالی اور مری ہوئی اُواز میں جواب دیا۔ ”اُذrust ملے گی تو بنادوں گی۔“

”یہ جو تو سارا دن بر قعہ کی ٹوپی پر کڑھائی کرتی رہتی ہے تو ایک تکمیلہ غلاف نہیں بناسکتی اسی بیر بھی کے لئے۔“

”بر قعہ تو غزورت کی چیز ہے کرنیں۔ اس کے بغیر کوئی گزارہ ہو سکتا ہے۔ غلاف تو سادہ بھی ہو سکتا ہے کڑھائی کے بغیر!“

ہات بو دی تھی لیکن اس وقت پل گئی۔ کرنیل کی نوجہ غلاف سے ہٹ کر بر قعہ کی طرف

بُنگئی۔

"یہ برقد کیوں پہنا جاتا ہے ماتی؟"

"تاکہ اپنی ذینت پر درود کی لگاہ نہ پڑے اور ان کا ایمان قائم رہے کیونکہ آنکھیں  
ڈاننا نگاہ میں ہیں۔ مرد کے دل میں عورت کے لئے بڑی رغبت رکھتے ہیں"

کرنیل کو نے اپنی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی: "ماں... . مجھے برقد پہنا چاہتے  
تھاں۔ مجھے دیکھ کر لوگ آزمائش میں پڑے ہوں گے تاں"

"پہنا تو چاہتے۔ پرشایہ تمہارے پر بھی پسند نہ کریں"

جب بوزورہ سیاہ برقد بازو پر دھرے، ہر بیل سنگھ کے کمرے میں پہنچی اسی وقت ہر بیل سنگھ  
پہنگھ پر یہ شاہی پریمگھ کے متعلق سوچ رکھتا۔ یادیں بھی پتیل کا برقی ہیں۔ اگر اجتنبیت ہو تو دوستی ہیں  
وہ ان پر بھی کافی کام لگ پڑھتا ہے۔ ہر بیل سنگھ نے تو پتیل یادوں کو چکا پکا کر اس طرح کر دیا تھا  
بیسے شریموں کے ساتھی ہوئی ریلک ہاتھوں کی رڑائی سے چکنی ہو جایا کرتی ہے۔

"پر بھی"۔

"کون ہے؟"

"میں جی۔ کرنیل"۔

ہر بیل سنگھ واطھ بیٹھا۔

"آجا، کھڑکی کیوں ہے؟"

"میں بنت پسون ہوں"۔

"برقد ہے؟" یہ ان ہو کر ہر بیل سنگھ نے پوچھا۔

"ماں بھری کہتے ہے کہ — کہ جان لڑکی کو برقد پہنا چاہتے۔ سب آرامش میں پڑ جلتے

ہیں مجھے دیکھو کر"

اپنی کڑ بڑی والڑی میں انگلی پھیر کر ہر بیل سنگھ نے لمبی سانس لی اور بولا۔ "اب کیا کہتی

ہے بھری؟"

بر قہہ۔ میں پن لوں پر بڑی ہے۔

ہر بیل کو اپنی دادی یاد آگئی جو بر قہہ بینا کرتی تھی۔

تو مجھ سے کیوں پوچھتی ہے۔ بھری نے کبھی کوئی غلط بات بھی کہی ہے۔ پن لے بر قہہ۔

وہ وہ ماسی کرتی تھی کہ کہ مسلمان کارواج ہے۔ آپ سوچ لیں۔

ہر بیل سنگھ آہستہ سے ہنسا اور پھر بولا۔ تو رواج تو رواج ہوتے ہیں۔ نہ رواج ہندو

ہوتا ہے سکون مسلمان۔ پڑے میں کیا ہو رہے۔ پھر بجھ تیراہی چاہتے۔ پھر ہر بیل نے

درو دیکھتے ہوئے اور بھی آہستہ سے کہا۔ "اور میں کوئی اس لئے اجازت تو نہیں دے سکتا کہ...

... یہ ابھی پہنچنے ہے۔ میں تو۔" فیر بھجوڑ اس بات کو۔ اب پن کر دکھا اپنا بر قہہ۔

بر قہہ پن کرو دہ ہر بیل سنگھ کو دکھانے کے بجائے سیدھی ماسی بھری کے گھر پہنچی۔ بھری دیوار

سے پلے اگاہ رہی تھی۔

کرنل نے لگھتے ہی آزادی۔ "ماں۔" اسی دیکھ تو کبھی لگتی ہوں ہیں۔

بھری کے اندر کر گئے۔

خدا کی شم! بخودی دیر کئے تو میں سمجھی کہ عذر ہے۔

ڈوری کھلتے ہوئے کرنل نے پوچھا۔ "عذر کون ماسی؟"

"میری بیٹی تھی۔ بڑی خوبصورت تیری طرح۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔ نبدار کے گھر ملنگی جوئی تھی۔ ملنگی کے دسویں دن پھول ماتھکی۔ سارا پنڈا پک گیا تھا۔ مزی ہے تو پھانی نہیں جاتی تھی۔ بھری کی آنکھیں بھیگ گئیں۔"

جن سے پیار کرو دہ کبھی پاس نہیں رہتے۔ پھر زندگی کا فائدہ بھلا۔" بھری نے دیپتے کے کنس سے انکھوں کو پوچھتے ہوئے اپنے آپ سے پوچھا۔

کرنل نے ماسی کے گئے میں باند ڈال دیئے اور اس کے سر کو جام کر کہا۔ "تم مجھے عذر لایو۔ مجھی بھری ا!"

وہی ناک نشترے ہے وہی نگ وہی قدیت ہے۔

”تو مجھے عذر کما کر مای اپتھے سے“

اس طرح کرشم کو کو جو اعلیٰ میں ہر دشمن کو رخچی ایک اور نام کا پیغمبر ملا۔

شبِ مراجح کا ذکر ہے۔ شام کو بھری نے نہاد ہو کر عطر حنال کیا۔ ہاتھوں میں گودہ ہاتھی دانت کی سفیدی نہ بھی تھی لیکن ہندی کارنگ خوب بکھلائے کھیر پکا کر واد کے ماڈ سجدہ بھی اور کڑو سے تیل سے دیئے بھرے گئی تو کرنیل کو آگئی۔ ہر سال اسی طرح اس کے چھوٹے سے گھر میں شبِ مراجح کو دینے جملہ کرتے تھے۔ اور مسجد میں کھیر جاتی تھی لیکن کوئی کوئی دن کوئی کوئی لمحہ اٹھایا کی طریقہ تیز ہوتا ہے اور ول کے آر پار پہلا باتا ہے۔

کرنیل کی اپتھ پاک بھری نے پوچھا: ”کون ہے میں ہوں ماکی۔ عذر را۔

آج باندرا۔ باہر کیوں گھٹی ہے دلہیز پر؟“

کرنیل کو سنبھل کر دیشے کی جانی سے مغلکی ہوئی پلیٹ کھول کر کہا: ”کڑاہ لانی ہوں اسی۔“

”تو اندر وکھ آھاں میں۔ واد سجدہ سے آئے تو سے کھلاؤں گی۔“

زکھنے کے نہیں مای۔ خیرات کرنے کے لئے لانی ہوں اللہ واسطے۔ آج خوشی کا دن بنتا ہا می۔ خوفنگی کے دن کچھ خیرات کرنی چاہئے ناں!“

”ابھی تھوڑی دیر میں اللہ ہو والا بابا آئے گا اُسے دین گے طلوہ۔ اندہ سکھا۔“

پھر دنوں نے مل کر دیشے جلاتے میز سے اللہ اور سینے سے ہو گئی آواز نکلنے والے بابا نظرہ دیا

واد ساری رات کھانتا رہا اور بتیاں ٹھاٹھا کر رکھ کر بجھ گئیں۔

”لگھ نہیں جاؤ گی عذر را۔“ بھری نے رات گھری ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں مای۔ آج بیرونی لصیانگے گئے ہئے ہیں۔“

جب کرنیل چار پائی پر نیشنے لگی تو اس نے دیکھا کہ بھری سلمنے چوتھے پر جمال صبح کے وقت

تین کے لذت رکھے جاتے تھے چلائی پر سفید کھیس بچا کر بیوگ کی ہے اور سانسہ رحل پر قرآن شریف  
دکھ کر اگر تپیال جلانے لگی۔

کرنیل کی انکھوں میں نیند بھری تھی لیکن اگر بتتے کی خوشبو نے اسے جگا سادیا بھری کے پاس پہنچا  
کراس نے پوچھا: ”ٹونیں سمئے گی ماں؟“

آج کی رات کوئی نافل ہی سوتا ہے کرنیل جا گئے کا برداشت ہے۔ رسولِ مقبول عرشِ نور پر  
گھستھے آج کی رات:

کرنیل نے زین کی پچت پر نظر دی جس پر ہزاروں تارے جمل بھروسے تھے۔

نبہشت میں ایک بست بڑا درخت ہے ہندرا اس درخت کی لاکھوں ڈالیاں میں اور ہر  
ڈالی پر ان گنت پتے ہیں۔ ہر پتہ پر کسی نہ کسی انسان کا نام لکھا ہے جسیں آدمی کے نام کا پتہ جھپڑ جاتا ہے  
وہ سال کے اندر اندر اللہ کو پیدا ہو جاتا ہے۔

کرنیل کو ایسے درخت کے تصور سے خوف آئے لگا۔ وہ بھری کے پاس دوز انہوں کو کہ بیوگ کی۔  
”یہ عبادت کی رات ہے کرنیل کو۔ یہ ساری راتِ مُمن لوگ عبادت میں گزارتے ہیں۔ رات کا  
ایک پہرایا خود آتا ہے جب کائنات کی ہر ہیز مجدد میں پلی جاتی ہے۔“

”وہ کیوں مانی؟“

”جمی گھردی حضورِ مقبول عرش پر گئے تھے عین اس گھردی آج بھی ہر ہیز مجدد میں چل جاتی  
ہے۔“

کرنیل کا بدن آہستہ آہستہ کا پنپنے لگا۔

”ماں یہ گھر..... یہ درخت سب.....“

”ہر جاندار، ہر فیروز جاندار سب.....“

”کسی نے انہیں مجدد کرتے دیکھا ہے ماں۔“

نبہشت سے ولیوں نے اللہ کے پیارا مدد نے دیکھا ہے بیٹی جو یہ منفرد بھی گفتا ہے اسکے

دل کا ہر قلیل ٹوٹ جاتا ہے اور پھر اس کا دل اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔ اس میں کسی اُتھی کا بسیرا نہیں  
ہو سکتا کہ نہیں ۔۔۔ کاش میرے دل کی جندری بُنیٰ ٹوٹ جائے ۔۔۔

کرنیں کامن سو کھن ایسا اور اس نے اُنھیں بند کر لیں۔ یوں تو کرنیں کو رکراپن مرلنے تے  
دکھ کر ہونے کی عادی تھی لیکن آج اسے نہ جانے کیوں چار پانی پر رپان کے باوجود دیستہ ہرے نہ  
آز جاتا۔ لیشی تو کچھ سو فی سی کچھ بجا گئی سی ڈھیر رہی۔

تحوڑی دیر بعد جب اس نے اُنھیں کھو لیں تو بھری دوہری بُکل مارے قرآن کعبہ نہادی تھی  
کرنیں نے ماں کی تعلیم میں درپیش کا نول کے گرد اڑس کر بُکل اڑی اور اس نے بُونے ۔۔۔ "ماں، ا!  
میں بیان تیرے پاس بُنیٰ رہوں۔"

"بُنیٰ رہ بُنیٰ"

"کوئی کہہ تو نہیں ہو کا تھے۔ مجھے ایک دلکش ہے ۔۔۔"

"تو تو فرشتہ ہے۔ فرشتوں کے بیٹھنے سے تو رحمت ہوتی ہے ۔۔۔"

ڈرتے ڈرتے کرنیں نے اُنہوں کی حرفہ بڑھایا اور بولی: "ماں! میں تیرے قرآن کو  
ناٹوں گا لوں نہ مجھے ڈرائے رہا ہے ۔۔۔"

"میرا قرآن کیسا درشن۔ یہ تو سب کا قرآن ہے۔ تیرا میرا۔ ساری دنیا کا یہ تو پہنچے ہے ۔۔۔  
پانی کا جس کا جھی چاہے جتنا مرمنی پی لے۔"

کرنیں کو رنے ڈرتے ڈرتے قرآن کریم کو انہوں نکایا اور پھر اور ڈرتے ڈرتے ان انگلیوں کو  
ہونٹوں سے نکایا۔

"اگر کہیں یہ سرفی پیشہ دننا چاہئے تو ۔۔۔ میرا قرآن نہ زور پڑھتی، سی ۔۔۔"

بھری چپ پاپ، اندر گئی اور کوئی حروف دلانہ کھن ایسا لامی مجس کی بعد پر جرمی جلد پڑھی بولی  
تھی اور کتابت بست بڑی بڑی تھی۔ اس کو سافٹی نیچے پر کر کر بھری نے کہا:

"مینی۔ اگر پڑھا نہیں آتا تو کیا ہمارا وہ بے پر والیت دیکھلے تو ہر طرکے پیچے اُنگلی پیڑنے

جا اور بسم اللہ پڑھتی جا۔ تجھے اتنا ہی نواب ملے گا بتنا قرآن پڑھنے کا ملتا ہے: کرنیں کو کو کر کنی آنکھوں میں ہر زبان، آنکھوں کا سارا حکم آگیا۔ ابڑی نے آنکھیں بچایا۔ پسک ماتی۔“

اور دیکھ۔ اللہ نے چاہا قربت، تے رحمتی ہو گئی تجدید پڑی۔“ کرنیں نے اپنے لام سیم کے پینے انگلی رکھی۔ آہستہ سے بسم اللہ پڑھتی تو ایک کرنٹ انگلی کے نکل کر پیروں کے انگلوں پر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ ایک کے لب پہنچ لے اور وہ صم” بکام انگلی پھرین سر ہوا۔

یہ بڑا درجہ کے درمیان کی بات ہے جب بصری قرآن پڑھتی پڑھتی انگلہ کر لپنے زانوپر سر دھرے سو رہی تھی اور دادی کھانشی بند تھی۔ کرنیں نے اپنے گھر کی طرف نکلاہ کی۔ یہ جو میں اس کے دادا کنوں سر جیت سنگھ نے بنوائی تھی۔ کنوں کا خطاب اس کے دادا کہا راجہ پور قلعہ نے دیا تھا اور سب کہتے تھے کہ جو میں دیکھ کر پور قلعے کے شاہی محل بڑا تھے میں اب عیلی میں وہ آن بان شری ہے۔ سیل دلپواروں میں نئے نئے پیسل کے پودے اُلگ آئے تھے۔ اندر آنکھ میں لگا ہوا۔ غیر کادر آؤ خا بصری کے گھر تجھ کا ہوا تھا۔ باہر دالا جسی پچاہاں اور لوپنے اور پنے کنگروں والی دلپوار۔ یہ جو میں پرانی تھی اور سو ڈھنی خاندان کی بذابت، شرافت اور شیر دل کی امین تھی۔

کرنیں نے اس پرانی جو میں پر نکلاہ کی تو اسے محسوس ہوا جیسے کنگروں والی جو میں کیر قری بھول رہتی ہے۔ لکنگر سیس فوار ہے میں اور ابھر کے درخت کی ساری ڈایاں ہاتھ بھرتے پرنا مکر رہتی ہیں۔

بھر کر کرنیں نے بھری کے گھر کی طرف دیکھا۔ دادو کی چار پالی آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ گدھے کا مخاز میں پر نکلا تھا۔ ماں کا مرکان اس حد تک بھکا ہوا تھا کہ کرنیں کو سکھ کر ابھی وہ اسی پر گر جانے گا۔

کرنیں کو رکے اندر سے دل پر لگا ہوا بگراتی تالا تھا کس سے ٹوٹ گیا۔ سکھ پان دہ گلاد دیکھ کر

تماں پر زے دور دور بکھر گئے۔ کرنل نے جنگ کر قرآن کو سینسے لگایا اور ہونٹ اس کی سطح پر رکھ کر آہستہ سے بھلی۔ —

"میں آگئی ہوں۔ میں تیرے حضور آگئی ہوں۔ یا اللہ میں نہیں جانتی کہ سیدھا راستہ کو نہیں ہے میں یہ بھی نہیں جانتی کہ تیری کتاب میں کیا لکھا ہے اور میرے باپ وادا کی کتاب میں کیا نہیں لکھا۔ لیکن اسے شبِ معراج اگواہ رہنا کہ آج کی رات میں۔۔۔۔ میں نے اسی بھری کے ایمان کو اپنا ایمان کہا — اور ان جانداروں اور غیر جانداروں میں شال ہوئی ہے شبِ معراج کو مجده کرتے ہیں"۔

صحب ہوئی مذکور نہیں کور کو سب کچھ عجیب مجیب سائنا۔ وہی گھر دبی آگئی تھامو ہی بھری وہی وادی تھا لیکن وہ دعویٰ کی طرح زہری کو چھوپتی ہوئی تینی سے بہت درحقیقی۔ جو کیفیت اس پر رات گزری تھی۔ اس کا ذرا کسی سے نہ کمن نہ تھا۔ اگر پہنچ کر نہ سیئش کو شے پر چلی گئی۔ پہنچ میں جو سباد اس نے بنائی تھی تو وہ اب بکھری ہوئی اینٹوں کی شکل میں نظر آئی۔ کرنل ایسا بیٹھ گئی اور اس بند کی طرح روئے گئی جو پیدل مردینے پہنچ جائے ملکیں روضہ مبارک دیکھنے سے پیدا نہ ہوا ہو جائے۔ یہ احساس خواب از نینے اس وقت محروس کیا ہو گا جب وہ سورج سے کٹ کر پہنچی بارپنے مخور پر گھومتا ہو گی۔ اپنے بے ایسیگی کا احساس، اپنی بھرولی، اپنی تماثیل کا احساس، کسی کی زبان سے سمجھ سکنے کا ذرا کھو، اپنی بولی سے سمجھ سکنے کا ملاں!

ابتداء کرنل کو بالکل جزیرہ بن گئی۔ پہلے وہ سب باتیں بھری سے کر لیتی تھی لیکن اب تو وہ نہ بھری کے پاس بیٹھو کر چین میں رہتی نہ ہوئی میں اسے تزار آتا۔ سارا دن اس چمگاڑ کی فلر چکر لگاتی رہتی جو اچانک سرثام کمرے میں داخل ہو جاتے۔

اوھ کرنل کو رک کے من میں بھولا کمھی چھوٹی تھی۔ ادھر سارے ہد میں اگ پھیل بری تھی بقیا میں کے بعد جب گورا اپنے رصد و ستان میں آگیا تو ہر میل سکھنے کے سکھ کا سانس یا جوان ہیں کو ایکلا جو میں میں چھوڑ کر جانا کچھ اتنا آسان کام بھی نہ تھا۔ وہ کرنل کی شانک جلد از جلد کرو دینا چاہتا تھا کہٹی بارہ دل میں سوچتا کہ بابری شہزادہ کو لدھیانے خط کھے لیکن پھر خیال آتا کہ جب اسے ہی خیال نہیں توبات کرئیا کا۔

پاکستان بھئے کوئی رسوائی دن تھا۔ گرمی بے پناہ تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد عجیب سے عجیب خبر سننے میں آتی تھی۔ کئی برسوں سے ہر بیل شکھ نے ابھری کے آنکھ میں بھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔ یکم بتوادھ سے روئے کی آواز آئی تو وہ کھلے سراٹھا اور جلدی سے کھڑکی کھول کر آزادی:

”دادو—دادو بھاہ—کیا ہے؟“

ابھری آنکھ میں بیٹھی روسی تھی۔ اس نے سراٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور فہر دنے لگی:

”کیا بات ہے ابھری؟“

”دادو کو کسی سکھ نے قتل کر دیا ہے۔ اللہ کرے مر جائیں سارے سکھ۔ بدھختوں نے تمara کیا بگارا اپے۔ کسی کا کیا چھین بیا ہے میرے سر کی چھاؤں نے لی۔ میرا ماما۔ میرا ماں۔ دادو۔۔۔۔۔“

ہر بیل سکھ کے پاؤں بھوٹ پڑ گئے۔

”کھاہ بے دادو۔“

”ترمو روڈ پر۔ نارت گروں نے المیروں نے قتل کر دیا۔ اتنی لاٹوں میں اس کی راش کماں ملتی۔۔۔ اور جائے گا کون اس کی راش لینے۔ ہائے تجھے کفن بھی نصیب نہ ہوا میرے ترباخ۔۔۔ تیر سے بنے قبر کا حکم ہی نہ ہوا۔ ہائے میرے ہمینے دادو، میزے، بیسے دادو، ہائے میرا شیر ہوان دادو۔۔۔ بھری کے میں من کر ہر بیل شکھ کو ہنسی آگئی اور عورتوں جیسے ملائم سینے دالا دادو اس کی نظر میں گھوم گیا۔۔۔

”تو ادھر ہو یہی میں کا حابھری۔ دہاں اکیلی۔۔۔۔۔“

”اوھر آجائیں تاکہ تو اکیلی پا کر مجھے کرپان سے اس پار پہنچا دے۔ ہائے دادو کو بلاؤ کوئی۔۔۔“

ہر بیل شکھ اندر جا کر پانگ پریٹ کر ٹھنکے کھملانے لگا۔ یوں دو پٹھ پرے پھیلے سینہ بیٹھی بھری کچھ اس ابھری سے کم نہیں تھی جس نے اس کی جانب اپنا کڑا بڑھایا تھا۔ اگر ادھر وہ ہو یہی میں آجائے تو برسوں کا قرضن چکایا جا سکتا ہے۔ ایک ابنا فی خوشی کے ساتھ ہر بیل نے کرنلی دار کو آزادی اور سارا